لوک ورثہ

تحقیق و تحریر: عبدالغفور درشن

لاہوت لامکان

فقیروں کی یونیورسٹی

لاہوت کے کرشمے

لاہوت لامکان کراچی سے شمال مغرب کی جانب تقریباً ایک سو پچیس میل کے فاصلے پر بلوچستان کے ضلع خضدار کے علاقہ "ساہونہ" میں ایک بلند پہاڑی کے اندر واقع ہے لاہوت سے چار پانچ میل نیچے بلاول شاہ کا مزار ہے جس جگہ ہر سال رمضان کے مہینے میں بہت بڑا میلہ لگتا ہے، رمضان کے پہلے دو ہفتوں میں اس میلے کی رونق جوبن پر ہوتی ہے سندھ،

پنجاب، بلوچستان، سرحد اور کشمیر سے لوگ اس میلے میں شریک ہوتے ہیں۔ اس موقعہ پر بسبب اعلقت قسم کے نشے باز ملک کے کونے کونے سے لاہوت کے مقام پر حاضری دیتے ہیں۔ لاہوت پر ہر آنے والا مرد و عورت "لاہوتی" کہلاتا ہے اور لاہوت یاترا کے عمل کو "لاہوت کرنا" کہا جاتا ہے۔ فقیروں کے نزدیک لاہوت ایک بہت بلند منزل کا نام ہے۔

ایک لاہوتی ملنگ اس جگہ کا تعارف ان لفظوں میں کراتا ہے

"لاہوت لامکان کا مطلب ہے فقیروں کی یونیورسٹی۔ فقیر اس جگہ فقیری کا کورس پاس کرتے ہیں۔ جس طرح لوگ لندن پاس کرکے آتے ہیں۔ اسی طرح فقیر لاہوت پاس کرکے جاتے ہیں"

لاہوت لامکان جیسی عجیب و غریب جگہ کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ جگہ کبھی بدھ راہبوں کا مسکن ہوگی۔ مگر ہمارے ملنگوں کا کہنا ہے کہ:-

"لاہوت عالم ارواح میں پنج تن پاک کا گھر تھا اور پھر جب عالم لاہوت میں (جسمانی طور پر) پنج تن پاک مکہ میں تشریف لائے تو پھر بھی لاہوت کے ساتھ ان کا ڈائریکٹ تعلق تھا کیونکہ لاہوت کے غار کے اندر جو سرنگ ہے وہ سیدھی مکے کو جاتی ہے"

ملنگوں کا لاہوت کے بارے میں مزید یہ کہنا ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے دنیا قائم کی تو لاہوت اسی وقت قائم ہوگیا۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ لاہوت کا قرآن میں بھی ذکر ہے اور بابا آدم اور مائی حوا نے بھی لاہوت میں قیام کیا ہے۔

محبّت فقیر

محبّت فقیر کے مقام کو ہم لاہوتیوں کا ریسٹ ہاؤس کہہ سکتے ہیں۔ کراچی سے آنے والی سواریوں کا یہ آخری سٹاپ ہے اور سیون شریف سے پیدل آنے والے قافلے بھی سب سے پہلے اسی مقام پر پہنچتے ہیں۔ اس مقام پر محبت فقیر کا پکا مزار ہے۔ زائرین سب سے پہلے اسی مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ محبت فقیر کا مزار بھی شاہ بلاول کے خلیفوں کے انڈر ہے اور انہوں نے اس جگہ اپنا ایک تنخواہ دار ملنگ رکھا ہوا ہے جو اپنے ماتحت بے تنخواہ ملنگوں سے زائرین کے لیے پانی کے گھڑے بھرواتا ہے اور خود مزار سے زیادہ اس غلے کی حفاظت کرتا ہے۔ جس میں زائرین نقدی ڈالتے ہیں۔

بتاتے ہیں کہ محبت فقیر شاہ بلاول کے طالب اور ان کے خدمت گار تھے اور آپ کی ہدایت پر انہوں نے اس جگہ اپنا ڈیرہ لگایا تاکہ مسافروں کی خدمت کی جاسکے۔ روایت کے

مطابق پنوں کو جب اس کے بھائی بھنبور سے اغوا کر کے لے گئے تو اس کی محبوبہ سسی ننگے پاؤں اپنے پریتم کی تلاش میں اسی راستے سے گزری تھی اور اسی راہ گزر پر سسی اور پنوں کی قبر آج بھی موجود ہے۔

مولا علیؓ کا پاؤں

محبت فقیر سے پیدل بلاول شاہ کی جانب جانے والا راستہ ایک پہاڑی نالے کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ جس کے کنارے کھجوروں کے کافی جھنڈ ہیں۔ ایک ڈیڑھ میل چلنے کے بعد اسی راستے سے بائیں ہاتھ کی جانب ایک راستہ لاہوت کے پہاڑوں پر چڑھتا ہے، راستہ کے اسی سنگم پر نالے کے داہنی طرف یعنی عین محبت فقیر اور بلاول شاہ کے راستے میں ایک بڑے سے سل نما پتھر میں انسانی پاؤں کا نشان بنا ہوا ہے۔ ملنگ لوگ اسے "مولا علیؓ کے پاؤں کا نشان" کہتے ہیں۔ زائرین پاؤں کے اس نشان پر اپنا دایاں ہاتھ پھیر کر اسے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ دعا مانگتے ہیں اور پاؤں کے قریب پتھر پر کچھ پیسے رکھ کر چلے جاتے ہیں۔ پاؤں کے نشان کے قریب ایک جھاڑی

ملنگوں کے بقول شاہ بلاول دراصل حضرت علیؓ تھے جو شہید ہونے کے بعد اپنا تابوت اونٹنی پر لاد کر یہاں تشریف لائے

ہے جس کے نیچے مسافروں کے پینے پانی کے بھرے ہوئے مٹکے رکھے ہیں اور ساتھ ہی ایک پنجابی ملنگ کا ڈیرہ ہے۔ یہ ملنگ بھی شاہ بلاول کے خلیفوں کا تنخواہ دار ہے۔ حضرت علیؓ کا پاؤں دیکھنے کے بعد جب میں اس ملنگ کو سلام کرنے گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کے ۶، ساتھی بھنگ رگڑ رہے تھے۔ پوست کی چائے بن رہی تھی اور سانپ کی شکل والی سلفیوں میں چرس بھر کر اس کے سوٹے لگائے جا رہے تھے اور پھر

ایک رات جب میں بلاول شاہ کے مزار کے قریب منظور بخاری کی زیارت کے پاس بیش کی چٹائی پر آنکھیں بند کر کے لیٹا ہوا تھا تو مولا علی کے پاؤں کے نشان پر بیٹھنے والا ملنگ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ آ کر میرے قریب بیٹھ گیا، پہلے دونوں چرس پیتے رہے اور بعد میں انہوں نے جیب سے نکال کر وہ رقم گنی جو کہ اس دن لاہوتیوں نے حضرت علیؓ کے پاؤں کے نشان پر بھینٹ کی تھی، آٹھ سو ساڑھے پندرہ روپے تھے اور یہ کیش وہ خلیفوں کے پاس جمع کرانے کے لیے لائے تھے۔

بعض ملنگوں کا کہنا ہے کہ شاہ بلاول ایک فرضی نام ہے دراصل یہ حضرت علیؓ تھے جو شہید ہونے کے بعد اپنا تابوت اونٹنی پر لاد کر خود اس جگہ تشریف لائے اور اس مقام پر دفن ہوئے۔ چنانچہ اسی موضوع پر ایک دوسرے ملنگ نے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

- یہ مسئلہ غیبی ہے اس کا آپ سراغ نہیں لگا سکتے، آپ جو سوچ لیں وہی ہیں یہ، جو بات آپ کے دل میں آئے یہ وہی ہستی ہیں آپ نے دیکھ لیا، ڈاچی اندر لاہوت میں ہے یا نہیں مولا علیؓ کی؟ مولا کے پاؤں کا نشان نہیں دیکھا آپ نے؟ بس آپ اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ پردہ نہ اٹھاؤ۔ بھید کھل جائے گا۔

گوکل کا باغ

کہتے ہیں یہ باغ گوکل نامی ایک ہندو کی ملکیت تھا جس سے بلاول شاہ نے چھین لیا۔ بعض ملنگ گوکل کو ہندو نہیں بلکہ دیو بتاتے ہیں۔ ان کے مطابق:

- یہ علاقہ پہلے جنوں اور پریوں کا تھا، اس وقت بھی ان پہاڑوں میں کافی جن اور پریاں موجود ہیں اور اس علاقے میں پریوں کا ایک کنواں بھی ہے، گوکل دیو بھی انہی پہاڑوں میں رہتا تھا، ایک دفعہ گوکل یہی باغ اپنی ہتھیلی پر رکھ کر کوہ قاف کے پہاڑوں سے لا رہا تھا کہ بلاول شاہ کی نظر اس پر پڑ گئی، آپ نے اپنی کرامت کے ذریعے اس جن کو نیچے اتارا، اس نے ہتھیلی والا باغ زمین پر رکھا اور بلاول شاہ کے ساتھ مقابلے پر اتر آیا۔ لہذا آپ نے اسے موجودہ باغ سے ایک میل دور اوپر پہاڑ میں ایک بڑی چٹان کے

نیچے دفن کر دیا۔ دفن ہونے کے بعد اس چٹان میں سے گوکل دیو نے ایک چشمہ جاری کیا تاکہ کوہ قاف سے لایا ہوا اس کا باغ سیراب ہو سکے لہذا آج تک وہ چشمہ گوکل کی چٹان میں بہہ رہا ہے، باغ کو اسی سے سیراب کیا جاتا ہے اور مقامی آبادی کے لوگ اور زائرین یہی پانی استعمال کرتے ہیں۔

اس وقت بھی ان پہاڑوں میں کافی جن اور پریاں موجود ہیں

شاہ بلاول کے مزار پر حاضری دینے والے زائرین کو ملنگ یہ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ گوکل دیو کی چٹان پر جائیں اور اسے سات کنکریاں ماریں، لہذا ہر زائر گوکل دیو کو سات پتھر مار کے آتا ہے، گوکل کی چٹان کافی بڑی ہے، اس کے گرد کنکریوں کا ڈھیر ہے، کئی لوگوں نے اس چٹان پر اپنے نام لکھے ہوتے ہیں۔ چٹان کے نیچے سے چشمہ پھوٹتا ہے اور چشمے کے پانی میں چھوٹی چھوٹی سینکڑوں مچھلیاں تیرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس بہتے ہوئے چشمے کے ساتھ ساتھ حکومت بلوچستان کی جانب سے کئی ایک مقامات پر چھوٹے بورڈ لگے ہوئے ہیں کہ پانی میں نہانا اور کپڑے دھونا منع ہے، کیونکہ یہ پانی پینے کے کام آتا ہے۔

گوکل کی چٹان کی طرف جاتے ہوئے راستے میں بلندی سی جگہ پر ایک کوٹھڑی نما مختصر سی غار ہے۔ وہاں ایک سندھی ملنگ بیٹھا ہوا ہے وہ بتاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس غار میں قیام کیا تھا۔ غار کے اندر دیا جل رہا ہے اور دیئے کے پاس زائرین کے پھینکتے ہوئے پیسے اور جرس کے ٹکڑے پڑے ہیں۔

ستو بنجو کی سمادھی

بلاول شاہ کے مزار کے ساتھ ہی مسجد ہے مسجد کی سیڑھیوں کے ساتھ وضو کرنے کی جو ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں، ان کے سامنے سفید سنگ مرمر کی ایک سمادھی ہے، یہ ستو بنجو کی زیارت ہے۔

ستو بنجو ایک ہندو تھا۔ اس کی سات لڑکیاں تھیں، ان کی شادی کے لیے اس کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں تھا ایک دفعہ ہندو بلاول شاہ کے پاس آکر سوالی ہوا کہ مجھے بیٹیوں کی شادی کے لیے کچھ عنایت کیا جائے بلاول شاہ نے اسے کہا کہ میرے باغ کے گرے ہوئے پتوں کو بورے میں بھر کر لے جاؤ، وہ خشک پتوں کا بورا بھر کے اپنے گھر لے گیا، وہاں جا کے دیکھا تو وہ پتے نوٹ بن چکے تھے، لہذا اس نے اپنی ساتوں لڑکیوں کی شادی نہایت دھوم دھام سے کی اور نورانی کی دعا سے اس کے ہاں لڑکا بھی پیدا ہوا وہ ہندو آ کے نورانی کے قدموں میں گر گیا اور یہیں عبادت کرنے لگا ایک دن بیٹھے بیٹھے اس کا دم نکل گیا اور اس کے گرد سمادھی بنا دی گئی۔

ستو بنجو کی سمادھی پر محرم کی سات تاریخ کو ہندوؤں کا ایک میلہ لگتا ہے۔ سندھ، بلوچستان اور بعض اوقات بھارت سے بھی ہندو لوگ اس میلے میں شریک ہوتے ہیں۔

خلیفے اور ملنگ

کافی برسوں سے لاہوت آنے والے لوگ بتاتے ہیں کہ بیس پچیس سال قبل بہت کم لوگ لاہوت کہنے آتے تھے۔ اس وقت اس جگہ کوئی خلیفہ نہیں ہوتا تھا، بلاول شاہ کے مزار پر اردگرد کے لوگ آکر کبھی کبھار جھاڑو دے جاتے تھے۔ شاہ بلاول سے زائرین جب لاہوت کرنے جاتے تو لاہوت سے قریب ہی تھوڑے فاصلے پر ایک خانہ بدوش بوڑھی خاتون زائرین کی خدمت کرتی، کھانے کے علاوہ انہیں سونے کے لیے چٹائیاں بھی دیتی، یہ بوڑھی خاتون اب بھی وہاں رہتی ہے بہت ضعیف ہے۔ سوائے براہوی کے اور کوئی زبان نہیں جانتی، وہ اپنی حیثیت کے مطابق اب بھی مسافروں کی خدمت کرتی ہے جس روز ہم اس خاتون کی جھگی میں گئے تو وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ اس کی بیٹی نے ہمیں بکری کا دودھ پلایا۔ میں نے ایک لاہوتی سے سنا کہ خلیفہ صاحب اور ان کے کارندے اس نیک دل مائی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور اسے اور اس کے خاندان کو اپنے راستہ کا کانٹا خیال کرتے ہیں۔ لاہوتی لوگ خاص کر خواتین اس بوڑھی خاتون کی بہت عزت کرتی ہیں اور لاہوت سے واپسی پر اسے سلام کر کے جاتی ہیں۔

جب اس جگہ لوگ زیادہ تعداد میں آنا شروع ہوئے تو سندھی سید صالح شاہ والوں نے بلاول شاہ میں آکر اپنی گدی قائم کی، سندھی سیدوں کی مدد سے بلاول شاہ اور لاہوت پر آنے والے زائرین کی تعداد چند برسوں میں بہت زیادہ بڑھ گئی اور اس لحاظ سے گدی نشینوں کی آمدنی میں بھی کافی اضافہ ہوا، چنانچہ نتیجے کے طور پر بارہ تیرہ سال قبل صالح شاہ والوں کو ملنگوں نے اپنے بازو لی

کی طاقت سے اپنے علاقے سے نکال باہر کیا اور اپنے قبیلے کے مقامی لوگوں کو سندھی سیدوں کی جگہ خلیفے نامزد کر دیا، موجودہ بردہی خلیفے چونکہ سندھی سیدوں کے گھر کے بھیدی تھے چنانچہ برسراقتدار آنے کے بعد انہوں نے کسی بھی مقامی آدمی کو اپنی انتظامیہ میں شامل نہیں کیا۔ لہذا موجودہ خلیفے مرکزی گدی یعنی بلادل شاہ کے مزار پر خود بیٹھتے ہیں اور دوسری تمام کم آمدنی والی جگہوں پر یہ سندھی، پنجابی اور پٹھان ملنگوں کو "ایڈہاک" پر رکھتے ہیں ان بیرونی ملنگوں کی ایک جگہ سے دوسری جگہ "ٹرانسفر" ہوتی رہتی ہے اور ایک دو سال کے بعد پرانے ملنگوں کو نکال کر نئے ملنگ بھرتی کر لیے جاتے ہیں۔

بیرونی گدیوں پر بیٹھے ہوئے ملنگ باوجود نشئی ہونے کے بڑے چست چالاک ہیں وہ زائرین کو جی بھر کر لوٹتے ہیں اور لوٹ کے اس مال میں سے کافی حصہ اپنے پاس رکھ کر باقی رقم ہر روز خلیفہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں، یہی حال خلیفہ صاحب کا ہے وہ مرکزی اور بیرونی گدیوں کی کمائی میں سے بہت سا مال غائب کر کے باقی رقم کا حساب مینگل وڈیروں کو دیتا ہے۔

جس روز میں بلادل شاہ سے لاہوت پیدل گیا تو میں نے سیون سے قافلہ کے ساتھ پیدل آئے ایک نوجوان ملنگ غلام عباس کو اپنے ساتھ لے لیا۔ بلادل شاہ کے دربار پر سندھ اور پنجاب سے آئے ہوئے ایسے کئی ملنگ آپ کو مل جائیں گے جن کا کام ہی لوگوں کو لاہوت کرانا ہے، اس کام کی اجرت یہ ملنگ لوگ دو وقت کے کھانے، چائے کی دو پیالیوں، دس بیس روپوں، سگریٹ کی ایک ڈبی نمبر ماچس اور چرس کی پانچ گولیوں کی صورت میں وصول کرتے ہیں۔ غلام عباس ملنگ بھی انہی میں سے ایک تھا اور روزانہ کسی نہ کسی پارٹی کو لاہوت لے کر جاتا تھا۔ جب ہم لاہوت کی کٹھن اور نہایت دشوار اترائی اتر کر ننگے پاؤں گدی پر بیٹھے ملنگ کے پاس گئے تو اس وقت وہاں ایک مچ کے سامنے خلیفوں کے دو تنخواہ دار ملنگ بیٹھے تھے، ان میں سے ایک پنجابی اور دوسرا پٹھان تھا۔ پنجابی کی داڑھی کالی تھی، وہ ایک آنکھ سے بھینگا تھا اور نشے کی حالت میں اس کی شکل اور بھی ڈراؤنی نظر آ رہی تھی، اسے میرے آنے کا پہلے سے علم تھا۔ قبل اس کے کہ میں اس سے انٹرویو لیتا۔ جاتے ہی اس نے میرا انٹرویو لینا شروع کر دیا۔ نہایت رعب اور دبدبے کے ساتھ اس نے مجھ سے سوالات پوچھنے شروع کیے۔

"تم کیرے والے ہو؟"

میں نے کہا "نہیں"۔

"تم سرکاری ملازم ہو؟"

میں نے اس سے بھی انکار کیا۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟"

"میں فیصل آباد سے آیا ہوں"

"کونسے محلے سے؟"

میں نے اپنے محلے کا نام بتایا۔

لاہوت والے ملنگ نے مجھے کوئی بھی بات بتانے سے انکار کر دیا اور بلادل شاہ واپس جا کر خلیفے سے رجوع کرنے کو کہا اور مزید سوال کرنے کی صورت میں اس نے مجھے جان سے مار دینے کی دھمکی بھی دی۔

"دیکھو میری بات سنو، آپ کو ایک بات بولوں، آپ ادھر جب بھی آئیں، ادھر سلام کریں، معافی مانگیں اور (چٹکی بجا کے) بس چلے جائیں، کسی نے اگر کچھ پوچھا تھا جس نے کوئی بات کی، وہ گیا"

میرے پاس چھوٹا سیکرٹری ٹیپ ریکارڈر تھا جس میں میں نے اس کی تمام دھمکی آمیز گفتگو ریکارڈ کر لی اور آخر جب اسے یہ احساس ہوا کہ میرے ہاتھ میں ٹیپ ریکارڈر ہے تو اس نے سختی سے مجھے حکم دیا کہ میں ٹیپ ریکارڈر اس کے حوالے کر دوں، میں نے اسے باتوں میں لگا کر کیسٹ نکال کر جیب میں ڈال لی اور ریکارڈر اس کے حوالے کر دیا، جب ہم لاہوت کے غار کے اندر سے ہو کر واپس لوٹے تو ریکارڈر اس نے مجھے واپس کر دیا اور میرے گائیڈ ملنگ غلام عباس کو اس نے میرے سامنے برا بھلا کہا کہ وہ مجھے وہاں کیوں لے کر گیا اور آئندہ کے لیے اس پر "بین" لگا دیا کہ وہ کسی زائر کے ساتھ یا اکیلا آئندہ کبھی لاہوت پر نہیں آسکتا، اور یوں میری وجہ سے فرزند علی اور غلام عباس کا روزگار متاثر ہوا۔ اس بات کا افسوس مجھے تمام عمر رہے گا۔

نشے اور موالی

لاہوت جانے والے ملنگوں میں میں نے ایک آدمی بھی ایسا نہیں دیکھا جو نشہ نہ کرتا ہو، بلادل شاہ نورانی کے مزار کے قریب لوگ جھاڑیاں لگا کر چرس، بھنگ، افیون، پوست کے ڈوڈے، راکٹ اور ہیروئن بیچ رہے تھے۔ چرس اس جگہ چلموں میں بھر کر پی جاتی ہے۔ لوگ ملنگوں کو عقیدت کے طور

پر چرس کی گولیاں پیش کرتے ہیں۔ کئی لاہوتی ایسے تھے جنہوں نے منت مانی تھی کہ لاہوت پہ جاکر پانچ چھٹانک چرس اور پانچ تولے افیون ملنگوں میں تقسیم کریں گے۔ لہذا کئی جگہوں پر میں نے ملنگوں میں نشہ آور چیزیں تقسیم ہوتے ہوئے دیکھیں۔ راکٹ اور ہیروئن کی لت اب ملنگوں میں بھی سرایت کر گئی ہے۔ میں نے ایک ہی وقت میں بائیس ملنگوں کو بلاول شاہ کے باغ میں ہیروئن کے نشے میں زمین پر مردوں کی طرح پڑے ہوئے دیکھا اور جب کراچی سے ہم محبت شاہ جا رہے تھے تو راستے میں لنگ لوہار نامی ایک جگہ پر ہماری بس چائے کے لیے رکی، ایک اور بس جو محبت فقیر سے کراچی کے لیے آئی تھی اس کے مسافر بھی وہاں چائے پی رہے تھے وہاں ایک لاہوتی ایسے موالیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نشہ آور چیزیں تقسیم کر رہا تھا جو کہ نشہ ختم ہونے کی وجہ سے پریشان تھے۔ ایک سیاہ پوش ملنگ (جو منگھو پیر سے پیدل آیا تھا اور لاہوت جا رہا تھا) نے جب اس لاہوتی کو منشیات تقسیم کرتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی اس کے پاس پہنچا اور بہت سے موالیوں میں سے بازو گھسیڑ کر اس نے اپنا چپہ (کشکول) اس لاہوتی کے سامنے کر دیا۔ لاہوتی نے ملنگ کے چپے میں چرس کی دو تین ڈلیاں ڈال دیں تو پھر بھی ملنگ نے بدستور اپنا چپہ اس کے سامنے رکھا، لہذا اس نے تھوڑی سی افیون چپے میں گرائی۔ ملنگ نے پھر بھی نہ ہٹایا۔ لاہوتی اس وحشت زدہ ملنگ کی شکل دیکھ کر مسکرایا اور اپنی جیب سے ایک "راکٹ" نکال کر اس کے چپے میں ڈال دیا۔ ملنگ علیؑ کا نعرہ لگا کر جمگھٹے سے باہر لے آیا اور چٹائی پر بیٹھ گیا اس نے چرس کی گولیاں چپے سے نکال کر جیب میں ڈالیں۔ راکٹ یعنی نشے کا کیپسول کھول کر اس کا پاؤڈر چپے میں جھاڑا۔ افیون اس چپے میں پہلے سے موجود تھی وہ چار پانچ منٹ تک راکٹ کے پاؤڈر اور افیون کو مکس کرتا رہا۔ بعد میں اس نے اسے بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی ہتھیلی پہ انڈیلا اور منہ کھول کر افیون ملا راکٹ ایک ہی جھٹکے میں پھانک لیا اور اپنی کمر سے لٹکی ہوئی پانی کی فوجی بوتل اتار کر منہ سے لگائی اور ایک ہی سانس میں بوتل خالی کر کے اسے قریب رکھے مٹکے سے بھر کر دوبارہ کمر کے ساتھ باندھا علیؑ کا ایک اور نعرہ لگایا اور لاہوت کی طرف پیدل روانہ ہو گیا۔

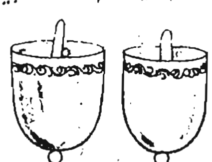

لاہوت کے عجائبات سنگ

لاہوت اور بلاول شاہ کے راستے میں ایک کشتی نما پہاڑ ہے جسے لوگ "نوح کی کشتی" اور بعض لوگ پنج تن پاک کی کشتی کہتے ہیں۔ اسی کشتی کے پاس راستے میں ایک پہاڑی چوٹی پر بالکل ثابت مسور کی طرح کے اور اسی سائز اور رنگت کے چھوٹے چھوٹے پتھر بکھرے ہوئے ہیں۔ انہیں لوگ "نورانی کے مسور" کہتے ہیں اور تبرک کے طور پر اپنے ہمراہ لاتے ہیں۔

لاہوت در اصل ایک گلاس کی شکل کا نہایت تنگ اور گہرا گڑھا ہے اس کے نیچے اترنا گویا ایک آتش فشانی دہانے کے برابر ہے، دونوں ہاتھوں کو پھول پہ لگا کر ایک سال کے بچے کی طرح گھسیٹ گھسیٹ کر اور پھسل پھسل کر نیچے اترنا پڑتا ہے گو کہ بعض مشکل جگہوں پر لوہے کی سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں، لیکن وہ بھی انتہائی تکلیف دہ ہیں۔ ان سیڑھیوں کے ڈنڈے سریئے کے بنے ہوئے ہیں۔ زائر کے لیے اپنے معمولی سامان سمیت نیچے اترنا مشکل ہے۔ میں اپنے ٹیپ ریکارڈر کی ڈوری کو دانتوں میں پکڑ کر نیچے اترا۔

خدا خدا کر کے مسافر ایک ایسی جگہ اترتے ہیں جہاں ان کے سر پر پہاڑ چھجے کی صورت میں جھکا ہوتا ہے، پہاڑی چھجے کے نیچے ایک مچ جل رہا ہے جس پر ملنگ گدی لگا کر بیٹھا ہوا ہے۔ مچ میں موٹی موٹی لکڑیاں ہیں اور ان میں سے ہلکا ہلکا دھواں نکل رہا ہے سندھ اور پنجاب کے بڑے بڑے مزاروں کے صحنوں میں جو بارہ مہینے آگ جلتی رہتی ہے وہ آگ لاہوت کے اسی مچ سے جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی مچ کی آگ بجھ جائے تو اس دربار کے ملنگ سینکڑوں میل کا سفر پیدل کر کے دوبارہ لاہوت کے اس مچ سے آگ لے کر جاتے ہیں کسی نزدیکی دربار سے انہیں لاہوتی آگ حاصل کرنے کا حکم نہیں ہے۔

پہاڑی چوٹی سے اس چھجے کے اوپر سے ہوتا ہوا ایک جھرنا مچ والے ملنگ کے بالکل سامنے پچیس تیس قدم کے فاصلے پہ گر کر ایک عجیب منظر پیش کرتا ہے۔ اوپر کافی بلندی سے بڑ کے درخت کی داڑھی کی طرح پہاڑ کی پتھریلی جڑیں چھجے کے اندر اوپر سے نیچے کی جانب لٹکی ہوئی ہیں اور متواتر پانی رس رس کر دہ جڑیں کلر کی وجہ سے سفید رنگ کی یہ پتھریلی جڑیں لاہوت میں آنے والے سیاح کو ایک عجیب و غریب نظارہ پیش کرتی ہیں، ان پتھریلی جڑوں کی سفید رنگت کے بارے میں ملنگوں کا یہ کہنا ہے کہ جس وقت مولا علیؑ، اس جگہ تشریف لائے تو آپ کی آمد کی خوشی میں لاہوت پہ دودھ کی بارش ہوئی تھی اور یہ سفیدی اسی دودھ کی ہے، لہذا ان پہاڑی جڑوں پہ

سے منسلک لوگ سفید پاؤڈر اکھٹا کرکے اپنے پاس رکھتے ہیں اور لاہوتیوں کو تبرک کے طور پر دیتے ہیں جسے وہ واپس جا کر مختلف بیماریوں کے لیے علاج کے طور پر استعمال میں لاتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ

اس پہاڑ میں کوئی ایسی معدنی چیز ہو جس کے استعمال سے مریض کو شفا ملتی ہو۔

زائرین باری باری مچ کے پاس آکر ملنگ کو سلام کرتے ہیں، اسے نذرانہ اور روٹ پیش کرتے ہیں اور سامنے کی زیارتوں کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔

ملنگ کی گدی کے بالکل سامنے جس پتھر پر جھرنا گر رہا ہے، وہ پتھر ایک بہت بڑے سانپ کی شکل کا ہے جس نے اپنا پھن اوپر کو اٹھایا ہوا ہے، اس کے پیچھے ایک چھوٹا سانپ ہے جسے وہ بڑے سانپ کی مادہ بتاتے ہیں۔

وہاں کھڑا ایک ملنگ تقریر کر رہا تھا:
"جناب! یہ لاہوت لامکان بزرگوں کی چلہ گاہ ہے اس جگہ پر چلہ کرنے والے کو مولا علیؓ کا دیدار نصیب ہوتا ہے، وہ سامنے جو جگہ ہے وہاں بلاول شاہ نورانی نے چلہ کیا تھا اور پنج تن پاک نے آکر ان کی رہبری کی تھی، یہ شہباز قلندر کی چلہ گاہ ہے، وہ سامنے لطیف بھٹائی کی چلہ گاہ ہے، یہ باہر جتنی بھی چلہ گاہیں ہیں۔ یہ سب پیروں فقیروں کی ہیں۔ صرف پنج تن پاک کی چلہ گاہ غار کے اندر ہے۔ بڑے بڑے بزرگ اس جگہ پر آئے ہیں، داتا گنج بخشؒ خواجہ غریب نواز اور بزرگ، شاہ لطیف بھی یہاں تشریف لائے تھے۔"

"کیا یہ تمام بزرگ یہاں تشریف لائے تھے؟" میں نے جھجکتے ہوئے اپنے ملنگ سے سوال کیا۔

تو اور کیا، آپ کو اس میں کوئی شک ہے؟ یہ تمام بزرگ لاہوت پر آئے ہیں حتیٰ کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جو گذرے ہیں وہ سب یہاں آئے ہیں، ان میں کچھ تو جسمانی طور پر یہاں آئے اور باقی روحانی طور پر کیونکہ روحانی طور پر بزرگ ہر جگہ جا سکتے ہیں۔ دلیل کافی وزنی تھی لہٰذا خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔

ایک بلند پہاڑی دیوار کے ساتھ چلتے چلتے ملنگ کھڑا ہو گیا، پہاڑی دیوار میں نو دس فٹ کی بلندی پر ایک چھوٹا سا بیضوی شکل کا سوراخ تھا، سوراخ کے قریب پتھر میں کیل ٹھونک کر ایک رسہ اس کے ساتھ باندھا گیا تھا اور وہ رسہ نیچے لٹک رہا تھا، کچھ عرصہ پہلے تک زائرین اسی رسے کی مدد سے اس سوراخ تک چڑھتے تھے، لیکن اب رسے کے ساتھ ساتھ لوہے کے سریے کی سیڑھی بھی لگی ہوئی ہے، لیکن یہ سیڑھی اتنی تکلیف دہ ہے کہ اب بھی زیادہ زائرین رسے ہی کی مدد سے اوپر سوراخ تک پہنچتے ہیں۔ پہاڑی کے اس سوراخ کو لاہوتی لوگ "ماں کا پیٹ" کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سوراخ حرامی اور حلالی کے بارے میں کسوٹی ہے یعنی حرامی آدمی چاہے کتنا بھی کمزور کیوں نہ ہو، اس سوراخ میں سے نہیں گزر سکتا جبکہ حلالی اگر موٹا انسان بھی ہو تو آسانی سے گزر جاتا ہے۔ کئی ملنگ غار کے اس منہ کو محمدی دروازہ کہتے ہیں اور اس کے اندر جو غار ہے اسے پنج تن پاک کا گھر کہا جاتا ہے۔ ملنگوں کا کہنا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ اسی سوراخ یعنی محمدی دروازے کے باہر کھڑے ہو کر غار کے اندر جھولے میں لیٹے ہوئے امام حسنؓ حسینؓ کو جھولا جھلایا کرتے تھے، کیونکہ وہ نبیؐ کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں۔ امام حسنؓ حسینؓ کا جھولا جو کہ اب پتھر کا ہو چکا ہے اس غار کے اندر موجود ہے۔

رسے اور سیڑھی کی مدد سے آدمی بڑی مشکل سے غار کے منہ کے قریب پہنچتا ہے، غار کے منہ سے اندر کی جانب پھر رسے کی مدد سے اترنا پڑتا ہے۔

غار میں اترتے وقت جس پتھر پر آدمی کا سب سے پہلے پاؤں پڑتا ہے وہ پتھر شیر سے مشابہ ہے کہتے ہیں کہ شیرِ خدا اس شیر پر سواری کرتے تھے اور آپ نے اسے اسی جگہ پر پتھر کر دیا تاکہ انہیں ماننے والے اس شیر پر پاؤں رکھ کر آسانی سے غار میں اتر سکیں۔

پتھر کے شیر پر پاؤں رکھ کر رسے کی مدد سے جب آدمی غار کے اندر اترتا ہے تو اُسے کچھ دکھائی نہیں دیتا، بالکل ایسے لگتا ہے جیسے وہ فلم چلنے کے بعد سینما ہال کے اندر داخل ہوا ہو۔ گائیڈ ملنگ اندر داخل ہونے والوں کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ نیچے جھک

کر فرش پر گرے ہوئے پانی کو آنکھوں سے لگائیں تاکہ ان کی آنکھوں کو روشنی میسر آئے اور وہ اندر کی ہر چیز دیکھنے کے قابل ہوسکیں لہذا

تمام زائرین نیچے جھک کر اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد تاریکی کچھ چھٹ جاتی اور اس نیم تاریک ماحول میں انسان اپنے آپ کو ڈیڑھ دو کنال بڑے ہال میں کھڑا پاتا ہے، اس غار نما ہال یا ہال نما غار کی چھت چودہ پندرہ فٹ اونچی ہوگی اور اس غار میں ہوا اور روشنی کے لیے وہی ایک سوراخ ہے جس میں سے زائرین گزر کے آتے ہیں۔

غار کے اندر پتھروں کے دو قدرتی برتن بنے ہوئے ہیں جن کے اندر اوپر غار کی چھت سے ہر وقت پانی ٹپکتا رہتا ہے اور یوں یہ برتن ہر وقت پانی سے بھرے رہتے ہیں اس پانی کو لاہوتی لوگ "آب زمزم" کہتے ہیں اور اپنے ہمراہ تبرک کے طور پر لے کے جاتے ہیں۔ پانی پتھر کے برتنوں سے چھلک کر غار میں چاروں طرف پھیلا

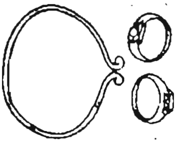

ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہاں بہت زیادہ پھسلن بھی ہے لہذا غار میں داخل ہوتے ہی یہی "آب زمزم" جھک کر آنکھوں پہ لگایا جاتا ہے، ملنگوں کا کہنا ہے کہ کئی پیدائشی اندھے بھی اس پانی کو آنکھوں پہ لگانے کے بعد بالکل ٹھیک ہوچکے ہیں:

اس نیم تاریک ماحول میں ایک تو ویسے ہی انسان کو غار کے اندر کی ہر چیز حتیٰ کہ خود اپنا وجود تک عجیب و غریب نظر آتا ہے، دوسرے اس جگہ آتے آتے نفسیاتی طور پہ زائر کی یہ پوزیشن ہوجاتی ہے کہ ملنگ جس پتھر کا جو نام بتائے اسے واقعی وہ پتھر اسی شکل میں نظر آتا ہے۔

چنانچہ غار کے اندر ٹیڑھے میڑھے پتھروں کی طرف اشارہ کر کے ہمارے ملنگ نے دوبارہ گائیڈ والی تقریر شروع کی:

"یہ دیکھیے جناب! یہ حضرت امام حسنؓ حسینؓ کا جھولا ہے۔ یہ مولا علیؓ کا تخت ہے، یہ مولا علیؓ کی دلدل ہے۔ یہ پنج تن پاک کی چلہ گاہ ہے، یہ مولا علیؓ کی اونٹنی ہے، اسی اونٹنی پر مولا اپنا تابوت لاہوت لے کر آئے تھے۔ یہ خاتون جنت کی چکی ہے، یہی چکی بی بی فاطمہؓ کو نبیؐ نے جہیز میں دی تھی، یہ مولا علیؓ کی چھڑی ہے، یہ بی بی فاطمہؓ کا صابن ہے، آپ اس پر ہاتھ لگا کر سونگھیں آپ کو صابن کی بو آئے گی۔ جس بی بی کے چہرے پر کوئی بیماری ہو وہ اس صابن پر ہاتھ پھیر کر چہرے پہ مل لے تو کوئی نشان اور بیماری باقی نہیں رہتی۔ یہ جناب آپ دیوار کے ساتھ پتھر کا گول سا پلر دیکھ رہے ہیں۔ یہ قیامت کا ستون ہے، یہ ستون آہستہ آہستہ چھت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب یہ صرف ایک آدھ فٹ چھت سے نیچے رہ گیا ہے۔ جس روز یہ ستون چھت پہ جا لگا، اسی روز قیامت آجائے گی۔"

سب سے آخر میں ملنگ تمام لوگوں کو اس وسیع غار کے آخری سرے پہ لے جا کر مزید ایک غار کا منہ دکھا کر بتاتا ہے کہ:

"یہی وہ سرنگ ہے جو کہ مدینے کو جاتی ہے، اگر آدمی اس راستے مکہ جانا چاہے تو تین دن میں وہاں پہنچ سکتا ہے۔ لیکن اب اس سرنگ سے کوئی آدمی نہیں جا سکتا، کیونکہ مولا علیؓ نے حکم بند کر دیا ہے، پنج تن پاک اسی سرنگ کے راستے لاہوت آیا کرتے تھے۔"

سرنگ دیکھنے کے بعد زائرین نے "آب زمزم" کے "مٹکوں" سے پانی کے برتن بھرے جو وہ اپنے ہمراہ بڑی دشواری کے ساتھ لائے تھے، غار کے منہ یعنی "ماں کے پیٹ" میں سے اسی طرح باہر آئے، لاہوت کے ملنگ سے اپنے روٹ کا آدھا آدھا ٹکڑا اور لاہوت کے پہاڑ کے دو دو ٹکڑوں کی ایک ایک پڑیا لے کر جس راستے سے نیچے آئے تھے اسی راستے سے ہم لوگ واپس اوپر پہنچے، اوپر کے ہوٹل سے سامان اٹھایا اور رات آٹھ نو بجے کے قریب ہمارا قافلہ واپس بلاول شاہ پہنچا۔

ممتاز محقق مولانا حکیم محمود احمد ظفر کی نئی کتابیں

- اسلام اور عورت کی حکمرانی
- فتنۂ جمہوریت۔
- صحابہ کرامؓ اور اہل بیت نبوت کے تعلقات اور رشتہ داریاں

دفتر "نقیب ختم نبوت" سے طلب فرمائیں!